

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورة النساء

(۸)

(گزشتہ سے پیوستہ)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخْوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ
الْاَخِ وَبَنَاتُ الْاُخْتِ، وَاُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي ارَضَعْنَكُمْ، وَاَخْوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ

تم پر تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، تمہاری
بھتیجیاں اور تمہاری بھانجیاں حرام کی گئی ہیں اور تمہاری وہ مائیں بھی جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور

[۵۲] یہ اور اس کے بعد جو حرمیں بیان ہوئی ہیں، وہ استاذ امام کے الفاظ میں انسانی فطرت کے اس تقاضے پر
مبنی ہیں کہ جہاں رحمی رشتے کی قربت قریبہ موجود ہو یا اس سے مشابہت پائی جاتی ہو، وہاں باہمی ارتباط کی بنیاد صرف
رحم، محبت اور رافت و شفقت کے اعلیٰ جذبات ہی پر ہونی چاہیے۔ اس میں نہ تو نفس کی شہوات و رغبات کی کوئی
آمیزش ہونی چاہیے نہ رشک و رقابت کو اس میں خلل انداز ہونے کا موقع دینا چاہیے۔ اس لحاظ سے دیکھیے تو سب
سے مقدم یہی نسبی رشتے ہیں اور ان کی قربت اپنے اندر فی الواقع اس نوعیت کا تقدس رکھتی ہے کہ اس میں جنسی رغبت
کا شائبہ بھی ہو تو اسے فطرت صالحہ کسی طرح برداشت نہیں کر سکتی۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ تقدس ہی درحقیقت تمدن کی
بنیاد، تہذیب کی روح اور خاندان کی تشکیل کے لیے رافت و رحمت کے بے لوث جذبات کا منبع ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے

وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ، وَرَبَائِبُكُمُ الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ الَّتِي

رضاعت کے اس تعلق سے تمہاری بہنیں بھئی۔ (اسی طرح) تمہاری بیویوں کی مائیں (حرام کی گئی

ہیں کہ ماں کے لیے بیٹی، بیٹی کے لیے باپ، بہن کے لیے بھائی، پھوپھی کے لیے بھتیجے، خالہ کے لیے بھانجے، بھانجی کے لیے ماموں اور بھتیجی کے لیے چچا کی نگاہ جنس و شہوت کی ہر آلائش سے پاک رہے اور عقل شہادت دیتی ہے کہ ان رشتوں میں اس نوعیت کا علاقہ شرف انسانی کا ہادم اور شرم و حیا کے اس پاکیزہ احساس کے بالکل منافی ہے جو انسانوں اور جانوروں میں وجہ امتیاز ہے۔

[۵۳] نسبی رشتوں کے بعد اب یہ رضاعی رشتوں کا بیان ہے۔ یہ رشتے اپنے اندر کیا تقدس رکھتے ہیں؟ استاذ

امام امین احسن اصلاحی نے اس کی وضاحت میں لکھا ہے:

”رضاعت کے تعلق کو لوگ ہمارے ہاں اس گہرے معنی میں نہیں لیتے، جس معنی میں اس کو لوگ عرب میں لیتے تھے۔ اس کا سبب محض رواج کا فرق ہے۔ ورنہ حقیقت یہی ہے کہ اس کو مادرانہ رشتے سے بڑی گہری مناسبت ہے۔ جو بچہ جس ماں کی آغوش میں، اس کی چھاتوں کے دودھ سے پلتا ہے، وہ اس کی پوری نہیں تو آدھی ماں تو ضرور بن جاتی ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ جس کا دودھ اس کے رگ و پے میں جاری و ساری ہے، اس سے اس کے جذبات و احساسات متاثر نہ ہوں۔ اگر نہ متاثر ہوں تو یہ فطرت کا بناؤ نہیں، بلکہ بگاڑ ہے اور اسلام جو دین فطرت ہے، اس کے لیے ضروری تھا کہ اس بگاڑ کو درست کرے۔“

(تدبر قرآن ۲/۵۷۲)

یہ تعلق کس طرح دودھ پلانے سے قائم ہوتا ہے؟ استاذ امام لکھتے ہیں:

”... یہ تعلق مجرد کسی اتفاقی واقعے سے قائم نہیں ہو جاتا۔ قرآن نے یہاں جن لفظوں میں اس کو بیان کیا ہے، اس سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ یہ اتفاقی طور پر نہیں، بلکہ اہتمام کے ساتھ ایک مقصد کی حیثیت سے عمل میں آیا ہو، تب اس کا اعتبار ہے۔ اول تو فرمایا ہے: ”تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔“ پھر اس کے لیے رضاعت کا لفظ استعمال کیا ہے، و احواتکم من الرضاعة۔ عربی زبان کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ ’ارضاع‘ باب افعال سے ہے جس میں فی الجملہ مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اسی طرح ’رضاعت‘ کا لفظ بھی اس بات سے ابا کرتا ہے کہ اگر کوئی عورت کسی روتے بچے کو بہلانے کے لیے اپنی چھاتی اس کے منہ سے لگا دے تو یہ

دَخَلْتُمْ بِهِنَّ، فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ، وَحَلَائِلُ

ہیں) اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں (حرام کی گئی ہیں) جو تمہاری گودوں میں پلے ہیں — اُن بیویوں

رضاعت کہلائے۔“ (تدبر قرآن ۲/۲۷۵)

آیت کے الفاظ سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ رضاعت کے تعلق سے وہ سب رشتے حرام ہوں گے جو نسبی تعلق سے حرام ہوتے ہیں۔ قرآن کا مدعا یہی ہے، لیکن اس کے لیے عربیت کا جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ الفاظ و قرآن کی دلالت اور حکم کے عقلی تقاضے جس مفہوم کو آپ سے آپ واضح کر رہے ہوں، اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ اصل میں دیکھیے تو ’وامہاتکم التی ارضعنکم‘ کے ساتھ ’واخواتکم من الرضاة‘ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ بات اگر رضاعی ماں ہی پر ختم ہو جائی تو اس میں بے شک، کسی اضافے کی گنجائش نہ تھی، لیکن رضاعت کا تعلق اگر ساتھ دودھ پینے والی کو بہن بنا دیتا ہے تو عقل تقاضا کرتی ہے کہ رضاعی ماں کے دوسرے رشتوں کو بھی یہ حرمت لازماً حاصل ہو۔ دودھ پینے میں شراکت کسی عورت کو بہن بنا سکتی ہے تو رضاعی ماں کی بہن کو خالہ، اس کے شوہر کو باپ، شوہر کی بہن کو پھوپھی اور اس کی پوتی اور نواسی کو بھتیجی اور بھانجی کیوں نہیں بنا سکتی؟ لہذا یہ سب رشتے بھی یقیناً حرام ہیں۔ یہ قرآن کا منشا ہے اور ’اخواتکم من الرضاة‘ کے الفاظ اس پر اس طرح دلالت کرتے ہیں کہ قرآن پر تدبر کرنے والے کسی صاحب علم سے اس کا یہ منشا کسی طرح مخفی نہیں رہ سکتا۔

[۵۴] نسب اور رضاعت کے بعد اب وہ حرمتیں بیان ہوئی ہیں جو مصاہرت پر مبنی ہیں۔ یہ رشتے چونکہ بیوی اور شوہر کی وساطت سے قائم ہوتے ہیں اور اس سے ایک نوعیت کا ضعف ان میں پیدا ہو جاتا ہے، اس لیے قرآن نے تین شرطیں ان پر عائد کر دی ہیں: ایک یہ کہ بیٹی صرف اس بیوی کی حرام ہے جس سے خلوت ہو جائے۔ دوسری یہ کہ بہو کی حرمت کے لیے بیٹے کا صلبی ہونا ضروری ہے۔ تیسری یہ کہ بیوی کی بہن، بھانجی اور بھتیجی کی حرمت اس حالت کے ساتھ خاص ہے، جب میاں بیوی میں نکاح کا رشتہ قائم ہو۔

[۵۵] یہ الفاظ یہاں بیان شرط کے لیے نہیں، بلکہ حرمت کے حکم کو موثر بنانے کے لیے آئے ہیں۔ استاذ امام

لکھتے ہیں:

أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ، وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ، إِلَّا مَا قَدْ
سَلَفَ، إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۲۳﴾

کی لڑکیاں جن سے تم نے خلوت کی ہو، لیکن اگر خلوت نہ کی ہو تو کچھ گناہ نہیں۔ اور تمہارے صلبی بیٹوں
کی بیویاں بھی۔ اور یہ بھی حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک ہی نکاح میں جمع کرو، مگر جو ہو چکا سو ہو چکا۔
اللہ یقیناً بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔ ۲۳

”...عربی زبان میں ہر صفت کو لازماً قید و شرط کی حیثیت حاصل نہیں ہو جاتی کہ ان میں سے کوئی نہ پائی جائے تو وہ
حکم کا عدم ہو جائے، بلکہ اس کا انحصار قرینے پر ہوتا ہے۔ قرینہ بتاتا ہے کہ کون سی صفت قید اور شرط کا درجہ رکھتی ہے
اور کون سی صفت محض تصویر حال کے لیے ہے۔ یہاں صرف قرینہ ہی نہیں، بلکہ تصریح ہے کہ رپیہ کی ماں اگر
تمہاری مدخولہ نہ بنی ہو تو اس رپیہ سے نکاح میں کوئی قباحیت نہیں۔ اس سے یہ بات صاف ہو گئی کہ رپیہ کی
حرمت میں اصل موثر چیز اس کی ماں کا مدخولہ ہونا ہے۔ اگر وہ مدخولہ ہے تو اس کی لڑکی سے نکاح ناجائز ہوگا، قطع نظر
اس سے کہ وہ آغوش تربیت میں پلی بے یا نہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اعلیٰ عربی، بالخصوص قرآن حکیم
میں اثبات کے بعد نفی کے اسلوب یا نفی کے بعد اثبات کے اسلوب میں جو باتیں بیان ہوتی ہیں، وہ محض
سخن گسترانہ نہیں ہوتیں، بلکہ کسی خاص فائدے کے لیے ہوتی ہیں۔ ان سے مقصود اکثر صورتوں میں رفع ابہام
ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ان لوگوں کا خیال قرآن کے خلاف ہے جو رپیہ کے ساتھ نکاح صرف اس صورت میں
حرام سمجھتے ہیں، جب وہ نکاح کرنے والے کے آغوش تربیت میں پلی ہو۔ بصورت دیگر وہ اس کے ساتھ نکاح
کو جائز سمجھتے ہیں۔“ (تذکر قرآن ۲/۲۷۶)

[۵۶] اس میں صلبی ہونے کی شرط بالخصوص اس لیے عائد کی گئی ہے کہ اس زمانے کے عرب میں لوگ اپنے منہ بولے
بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کو ناجائز سمجھتے تھے۔ قرآن نے اس شرط سے واضح کر دیا کہ کسی کو اپنا بیٹا کہہ دینے سے نہ وہ
بیٹا بن جاتا ہے اور نہ اس سے کوئی حرمت قائم ہوتی ہے۔

[۵۷] اصل میں ’وان تجمعوا بین الاختین‘ کے الفاظ آئے ہیں۔ یہاں بھی اگر غور کیجیے تو زبان کا
وہی اسلوب ہے جس کا ذکر اوپر رضاعت کی بحث میں ہوا ہے۔ قرآن نے ’بین الاختین‘ ہی کہا ہے، لیکن

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ، إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ، كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ، وَأَحَلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ، أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ، مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ، فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ، فَاتُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ فَرِيضَةً، وَلَا

اور وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو کسی کے نکاح میں ہوں، الا یہ کہ وہ تمہاری ملکیت میں آجائیں۔ یہ اللہ کا قانون ہے جس کی پابندی تم پر لازم کی گئی ہے۔ اور ان کے ماسوا جو عورتیں ہیں، (ان کا مہر ادا کر کے) اپنے مال کے ذریعے سے انہیں حاصل کرنا تمہارے لیے حلال ہے، اس شرط کے ساتھ کہ تم

صاف واضح ہے کہ زن و شو کے تعلق میں بہن کے ساتھ بہن کو جمع کرنا اگر اسے فحش بناتا اور دو بہنوں کو بہنیں ہوتے ہوئے بھی سوکنوں کے جلاپے اور رشک و رقابت کے جذبات میں مبتلا کر دیتا ہے تو پھوپھی کے ساتھ بھتیجی اور خالہ کے ساتھ بھانجی کو جمع کرنا بھی گویا ماں کے ساتھ بیٹی ہی کو جمع کرنا ہے۔ لہذا قرآن کا مدعا، لاریب یہی ہے کہ ان تجمعا بین الاختین، و بین المویۃ و عمتھا، و بین المرأة و خالتھا۔ وہ یہی کہنا چاہتا ہے، لیکن بین الاختین کے بعد یہ الفاظ اس نے اس لیے حذف کر دیے ہیں کہ مذکور کی دلالت اپنے عقلی اقتضا کے ساتھ اس محذوف پر ایسی واضح ہے کہ قرآن کے اسلوب سے واقف اس کا کوئی طالب علم اس کے سمجھنے میں غلطی نہیں کر سکتا۔

[۵۸] اس لیے کہ کسی کی ملکیت میں آتے ہی ان کا پہلا نکاح آپ سے آپ کا عدم سمجھا جاتا تھا۔ یہ اس زمانے کا قانون تھا جسے قرآن نے بھی باقی رکھا۔ چنانچہ قیدی عورتیں اگر چاہتیں تو پکڑے جانے کے بعد کسی بھی شخص سے نکاح کر سکتی تھیں۔ اس کے لیے انہیں اپنے پہلے شوہروں سے طلاق لینے کی ضرورت نہیں تھی۔

[۵۹] اس سے واضح ہے کہ نکاح مال، یعنی مہر کے ساتھ ہونا چاہیے۔ یہ نکاح کی ایک لازمی شرط ہے۔ چنانچہ آگے ہدایت فرمائی ہے کہ اس سے پہلے اگر کسی عورت کا مہر ادا نہیں کیا گیا تو اسے فوراً ادا کر دیا جائے۔

یہ مہر کیا ہے؟ مرد و عورت نکاح کے ذریعے سے مستقل رفاقت کا جو عہد باندھتے ہیں، اس میں نان و نفقہ کی ذمہ داریاں ہمیشہ سے مرد اٹھاتا رہا ہے، یہ اس کی علامت (Token) ہے۔ قرآن میں اس کے لیے صدقہ اور اجر کے

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرْضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ، إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا
حَكِيمًا ﴿۲۴﴾

پاک دامن رہنے والے ہونہ کہ بدکاری کرنے والے۔ پھر (اس سے پہلے اگر مہر ادا نہیں کیا ہے تو) جو
فائدہ اُن سے اٹھایا ہے، اُس کے صلے میں اُن کا مہر انھیں ادا کرو، ایک فرض کے طور پر۔ مہر ٹھیرانے کے
بعد، البتہ آپس کی رضامندی سے جو کچھ طے کر لو تو اُس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ بے شک، اللہ علیم و حکیم
ہے۔ ۲۴۔

الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی وہ رقم جو عورت کی رفاقت کے صلے میں اس کی ضرورتوں کے لیے دی جائے۔ نکاح
اور خطبے کی طرح یہ بھی ایک قدیم سنت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب میں اسی طرح رائج
تھی۔ بائبل میں بھی اس کا ذکر اسی حیثیت سے ہوا ہے۔
اس کی یہ اہمیت کیوں ہے؟ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے:

”... جس معاملے کے ساتھ اداے مال کی شرط لگی ہو اور اس اداے مال کی حیثیت محض ایک تبرع اور احسان کی نہ
ہو، بلکہ ایک فریضے کی ہو، یہاں تک کہ اگر وہ مذکور نہ بھی ہو جب بھی لازماً مضمحل سمجھا جائے اور عورت کی حیثیت عرفی
کے اعتبار سے اس کی ادا لگی واجب قرار پائے، شرعاً و عرفاً ایک اہم اور سنجیدہ معاملہ بن جاتا ہے۔ کوئی بھی ذی ہوش
آدمی ایسے معاہدے میں ایک پارٹی بننے کی جرات نہ کرے گا جب تک وہ سو بار سوچ کر اس میں شرکت کی ذمہ داریوں
کو ادا کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار نہ کرے۔ ان مصالحوں سے مہر کی شرط ضروری ہوئی۔ جن لوگوں کی نظر ان
مصالحوں کی طرف نہیں گئی وہ سمجھتے ہیں کہ اس شرط نے عورت کو ایک خریدنی و فروختنی شے کے درجے تک گرا دیا ہے۔
یہ خیال محض نا سبھی کا نتیجہ ہے۔ یہ شرط تو ایک آگاہی ہے کہ جو بھی عورت کے حرم میں قدم رکھنا چاہے، وہ اچھی طرح
سوچ سمجھ کر قدم رکھے۔ نکاح و طلاق کے معاملے میں کسی مذاق کی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں مذاق بھی حقیقت کی
حیثیت رکھتا ہے۔“ (تدبر قرآن ۲/۲۷۸)

[۶۰] اس سے واضح ہے کہ نکاح کے لیے پاک دامن ہونا ضروری ہے۔ کوئی زانی یہ حق نہیں رکھتا کہ کسی عقیفہ

* پیدائش ۱۲:۳۳، خروج ۲۲:۱۷۔

سے بیاہ کرے اور نہ کوئی زانیہ یہ حق رکھتی ہے کہ کسی مردِ عقیف کے نکاح میں آئے، الا یہ کہ معاملہ عدالت میں نہ پہنچا ہو اور وہ توبہ و استغفار کے ذریعے سے اپنے آپ کو اس گناہ سے پاک کر لیں۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net